© rasailojaraid.com

ہمارا عظیم محسن......

مولانا محمد اسحٰق بھٹی

ابوبکر قدوسی

سعادت کی زندگی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ جو محترم اسحاق بھٹی صاحب نے گزاری ..اور عزت کی موت ان کی موت کو نہ کہا جائے تو اور کس کو کہا جائے گا..

22 دسمبر 2016 کی صبح عین فجر کے وقت عمر فاروق قدوسی کا برقی پیغام ملا کہ اسحاق بھٹی صاحب فوت ہو گئے ہیں ..دکھ کی لہر میرے اندر تک اتر گئی ..بیس برس پرانی شام کا دھندلا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے...جب شام کے سائے اتر رہے تھے کہ اشرف جاوید میرے سامنے بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے کہ "آپ کے والد تاریخ اہل حدیث پر کام کرنا چاہ رہے تھے، نہ کر سکے..یہ ذوق آپ کو بھی وراثت میں ملا ہے،سو اس کام کو آگے بڑھانا آپ پر قرض ہے..."

میں نے عرض کیا " کہ قرض چکانے کی کیا صورت ہو؟"...

کہنے لگے کہ "اسحاق بھٹی صاحب نے شخصیات پر خاصا کام کر رکھا ہے ان سے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی درخواست کی جائے".....

اٹھتی جوانی کے دن تھے میرے اندر جوش ضرورت سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا.. کہا "...دیر کیوں ابھی چلتے ہیں ..ہم اٹھے اور بھٹی صاحب کے گھر چل دیئے ..میری تب تک ان سے چند ہی ملاقاتیں تھیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس طرح پیش آئیں گے"... ..

غریبوں " کی اس قدیم بستی کو سانده کلاں کہتے ہیں جہاں دماغ کا یہ بے پناہ امیر انسان رہتا تھا...

ہم وہاں پہنچے،وہ گھر میں موجود تھے،،،ترشوائی ہوئی،،سیاہ رنگی خشخشی داڑھی،میانہ قد،گندمی رنگ ...ایک بزرگ ہمارے سامنے بیٹھے تھے ... ہم نے عرض گزاری کہ "اپنا لکھا ہمیں دے دیجئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سوں کا بھلا ہوگا .."ہم نے تو جیسے جان ہی مانگ لی تھی ..اپنا لکھا جان سا ہی پیارا ہوتا ہے"... کہنے لگے کہ "ادارہ ثقافت اسلامیہ کو اعتراض ہوگا .. "میں نے عرض کی کہ "آپ ادارہ چھوڑ چکے،اب کسی کو کیا غرض کہ آپ کیا کرتے ہیں؟"...

...ان دنوں ادارہ ثقافت کے ڈائریکٹر رشید جالندھری تھے جو مبینہ طور پر قادیانی کہے جاتے تھے اورانہوں نے بھٹی صاحب کو خاصا تنگ کیا تھا ...اس بنا پر ہی بھٹی صاحب ادارہ چھوڑ کر گھر آن بیٹھے تھے اور نصف صدی کے بعد "چھٹیاں "منا رہے تھے ...ادارے کی ملازمت کے دنوں میں سراج منیر صاحب کے کہنے پر آپ نے یہ مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا ....جب کہ "ارمغان حنیف "بھٹی صاحب کی ملازمت کے دنوں میں ہی ادارہ شائع کر چکا تھا ...جو مولانا حنیف ندوی کے بارے میں بہت عمدہ کتاب تھی ..

بھٹی صاحب نے ہلکا سا انکار کیا مگر میرے اصرار کے سامنے ہار گئے ... کچھ اشرف جاوید صاحب نے بھی میرا ساتھ دیا ...اورانہوں نے کچھ مسودے میرے حوالے کر دیئے اور یوں ان کی پہلی کتاب "نقوش عظمت رفتہ "منظر عام پر آئی ...میں بتا چکا کہ ان دنوں "آتش کو جوانی چڑھی ہوئی تھی "اور کام کا بہت شوق تھا ...اس کتاب کا ٹائٹل میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا ... حکومت ہند کی تاج محل آگرے کے بارے چھپی ہوئی ایک کتاب میرے پاس موجود تھی جس میں تاج محل کی ایک خوبصورت تصویر بھی شامل تھی ،جو کتاب کے حسب حال تھی ...یعنی "نقوش عظمت رفتہ ..."اس کتاب میں اکیس شخصیات کے خاکے شامل کیے گئے ...اکتوبر ۱۹۹۱ میں اس کتاب کا پہلا اڈیشن منظر عام پر آیا ...اور بہت مقبولیت حاصل کی ...احباب نے اسے بہت شوق سے پڑھا ..چونکہ اس کتاب میں بھٹی صاحب صرف اہل حدیث افراد تک محدود نہ رہے بلکہ گیارہ غیر اہل حدیث حضرات کو شامل کیا ،چنانچہ یہ کتاب تمام مذھبی اور ادبی حلقوں میں مقبول ہوئی ...

بلاشبہ بھٹی صاحب کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہو رہا تھا جس میں بہت زیادہ محبتیں اور کامرانیاں بازو وا کیے ان کی منتظر تھیں......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''نقوش عظمت رفتہ'' تمام مکاتب فکر میں مقبول ہوئی اس میں اہل حدیث اور غیر اہل حدیث شخصیات کا تذکرہ تھا۔ جبکہ ایک غیر مسلم شخصیت گیانی ذیل سنگھ بھی اس میں شامل تھے۔ گیانی ذیل سنگھ اسحاق بھٹی صاحب کے بچپن کے دوست تھے اور تحریک آزادی میں علاقائی سطح پر دونوں مل کر جدوجہد کرنے میں شریک تھے۔ بعد میں ذیل سنگھ بھارت کے صدر کے عہدے تک پہنچے۔ انہوں نے بھٹی صاحب کو ہمیشہ یاد رکھا اور بطور صدر ان کو ہندوستان آنے کی دعوت بھی دی مگر بھٹی صاحب نہ جا سکے۔

نقوش عظمت رفتہ کے بعد اس سلسلے میں دوسری کتاب ''بزم ارجمنداں'' شائع ہوئی حسب سابق اس کتاب کو بھی بہت پذیرائی ملی۔ اس میں انیس شخصیت شامل تھیں۔ بھٹی صاحب کا منفرد اسلوب تحریر ان دونوں کتب میں اپنے عروج پر تھا۔ آسان اور شستہ انداز تحریر قاری کا دل موہ لیتا اس کتاب میں انہوں نے مرحومین کے ساتھ چند زندہ شخصیات کے تذکرے کو بھی شامل کیا۔

ان دو کتب کے شائع ہونے کے ساتھ ہی ''مارکیٹ'' میں آپ کے مضامین کی طلب اور انتظار سوار ہو گیا۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دور میں آپ ایک مخصوص حلقے میں محدود ہو کر رہ گئے تھے اور دائرہ کار بھی محدود تھا ادارہ ثقافت سے نکل کر گوشہ نشینی اختیار کرنے کو تھے کہ ان کتب کی صورت آپ جیسے عوام میں آ گئے۔ پاکستان بھر سے عوام اور خواص آپ سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ آپ دوسرے تیسرے روز سانڈے سے نکلتے اور مکتبہ قدوسیہ آ جاتے، دو، تین گھنٹے یہاں بیٹھتے، لوگ آتے، آپ کی باتیں سنتے، فیض یاب ہوتے۔ یعنی اک چشمہ فیض جو پوری آب و تاب سے رواں تھا۔ آپ کی مجلس اتنی دلچسپ ہوتی کہ گمان نہ ہوتا تھا کہ ستر سالہ بزرگ کے ساتھ بیٹھنے میں یا کسی ہم عمر کے ساتھ، عمر فاروق قدوسی میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کا خاص پیار تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آتے اور کہتے یار عمر ''کل سے لطیفہ آیا ہوا ہے، تم کو سنانے کے لیے صرف آیا ہوں'' اور پھر گفتنی ناگفتنی......! بھٹی صاحب کا ''نیا حلقہ احباب'' تشکیل پا رہا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روز مجھے کہنے لگے کہ ''یار ابوبکر میری بیوی کہتی ہے کہ ان لڑکوں کا ساتھ نہ چھوڑنا، جب سے ان سے تعلق بنا ہے تمام معاملات میں برکت آ گئی ہے۔'' میرا قہقہہ بلند تر تھا۔ کہ لو بی ہم بھی برکت والے بابا جی بن گئے۔ حالانکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ ان کا قلم اتنا جان دار تھا اور لکھا اس قدر شان دار کہ ہر سو دھوم مچا رہا تھا۔

انہی دنوں میں نے ان سے کہا کہ مختلف مکاتب ہائے فکر کے بزرگوں کے بارے میں آپ کے تحریر کردہ خاکے شائع کرنا ہمارا اصل مقصد نہیں تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ برصغیر کے اہل حدیث کی جامع اور مبسوط تاریخ مرتب کی جائے، کہ یہ میرے والد مرحوم کا ذوق اور شوق تھا۔ انہوں نے اس پر ایک قدم اٹھایا تھا کہ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ مشاورت ہوتی رہی اور معاملات اپنی درست سمت طے ہوتے رہے۔ ان ہی دنوں ہمارے ایک دوست اور برادر بزرگ عارف جاوید محمدی اس کہانی میں آ شامل ہوئے عارف جاوید صاحب کویت ہوتے ہیں۔ میرے والد محترم کے ساتھ بھی ان کا خاص پیار تھا میرے والد پاکستان سے باہر ایک ہی سفر کر سکے تھے اور وہ کویت کا تھا اور جمعیت اہلحدیث کے کسی کام کے لیے گئے تھے اور کام بھی عارف جاوید صاحب کے ادارے جمعیت ء التراث سے متعلق تھا۔ عارف جاوید کا اہل بزرگوں اور تاریخ کے متعلق بہت ذوق اور شوق کے حامل ہیں۔ آپ بھٹی صاحب کے پاس پہنچتے ہیں اور ان ہی جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ جن کے لیے میں چند برس؟؟؟ اسحاق بھٹی صاحب کے دولت کدے پہ حاضر ہوا تھا اور یوں ایک؟؟ کہ معاملہ طے پا گیا۔ عارف صاحب نے بھٹی صاحب کے بہت سے ''ذاتی معاملات'' اپنے ذمے لے لیے اور بہت حد تک ان کو روزمرہ امور کی فکر سے آزاد کر دیا۔ اس ''آزاد فکری'' نے بھٹی صاحب کے قلم کو کسی؟؟؟؟ رواں سے بھی تیز کر دیا اور تاریخ اہل حدیث کے حوالے سے کتنے ہی شاہ کار منظر عام پر آئے۔

میرے والد محترم نے تاریخ اہل حدیث پر لکھنے کا جو ارادہ باندھا تھا اس کا ایک خاکہ لکھا تھا جس میں چند زمانی کے ساتھ بالترتیب ابواب بندی کی تھی۔ کہ اس ترتیب سے لکھا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب اسحاق بھٹی صاحب کا انداز اور اسلوب اور سوچ الگ تھی ان سے طے ہوا۔ کہ مختلف میدانوں میں اہل حدیث حضرات کی کاوشوں اور ان کے ذاتی حالات کو قلم بند کیا جائے اس میں تاریخ اور تاریخی واقعات کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے گا۔ عارف جاوید صاحب نے بھٹی صاحب سے لکھوانے کی ذمے داری اٹھائی میں نے شائع کرنے کی۔ چنانچہ اس سلسلے کی بھی کتاب منظر عام پر آئی۔ جس کا نام تھا ''برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' جناب اسحاق بھٹی صاحب ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دنوں میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' تھا۔ ''اہل حدیث کی آمد'' دراصل اس کتاب کا ہیبیا روپ تھا۔ جس میں مناسب قطع و برید اور اضافے کیے گئے تھے۔ یہ کتاب خاصی پسند کی گئی۔ اس کتاب کو آپ اس سلسلے کی تمہید اور مقدمہ کہہ سکتے ہیں جو آگے شروع کرنے کا ہمارا ارادہ تھا۔

اس سلسلے کی دوسری کتاب ''برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن'' تھی جو تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل تھی اس میں 185 اصحاب کے تذکرے شامل تھے جب کتاب لکھی جا رہی تھی تو ایک روز مذاق میں میں نے بھٹی صاحب کو کہا کہ آپ لاکھ لکھتے رہیں، اگر ہم ناشران ان کتب کو شائع ہی نہ کریں تو آپ کیا کر سکتے ہیں تو خدام قرآن صرف لکھنے والے تو نہ ہوئے، ناشران بھی تو ہیں بھٹی صاحب ہنستے ہوئے کہنے لگے بات تو تمہاری درست ہے کہ ان کتب کو شائع کرنا بھی تو خدمت ہی ہے۔ میں نے تو یہ بات از راہ تفنن کی تھی مگر آپ نے اس کو سنجیدہ طور پر لیا اور اپنی کتاب خدام قرآن کے آخر میں چھتیس اہل حدیث ناشرین اور ان کے اداروں کا مختصر تعارف بھی دے دیا۔

جن دنوں خدام قرآن شائع ہوئی۔ ان ہی دنوں میں میری توجہ مکتبہ قدوسیہ کے علاوہ کچھ اور کاروباری امور کی طرف ہوگئی اور بھٹی صاحب کی کتب کی اشاعت میں تاخیر ہونے لگی۔ آپ اتنے زیادہ مروت والے تھے کہ بہت عرصہ مجھ سے اس بابت کوئی شکایت نہیں کی۔ دوسری طرف وہ مسلسل لکھ رہے تھے۔ فطری بات ہے کہ بندہ جب لکھتا ہے تو چاہتا بھی ہے کہ یہ شائع ہو اور میں ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔ ایک روز مکتبہ قدوسیہ تشریف لائے۔ ان کو بات کرتے ہوئے جھجک ہو رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی لمبی تمہید باندھی اور کہنے لگے کہ "میری کتب شائع نہیں ہو پا رہی اگر آپ بھائی ناراض نہ ہوں تو کچھ دوسرے ناشرین دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ میں ان کو چند کتب دے دوں" الحمدللہ! میرا مزاج ان معاملات میں بہت کھلا رہا ہے۔ میں نے ان کی ہچکچاہٹ بھری تمہید اور مدعا کو بھرپور "انجوائے" کیا اور یہ کہتے ہوئے کہ:

جا تجھ کو آزاد کیا

ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ "اس میں ایسی کیا بری بات ہے۔ اگر دوسرے دوست اس نیکی کے کام میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہے۔" اور سچی بات یہ ہے کہ یہ اعزاز اور خوش نصیبی کہ اللہ نے یہ کام مجھ سے شروع کروایا یہ تو میرے لیے ہی خاص رہنا تھا۔ تو بخیلی کس بات کی۔ یقیناً سرد اور تاریک راتوں میں، اٹھ کر فصل کا بیج لگانا، اس کی راکھی کرنا، بہت محنت طلب کام ہوتا ہے، اس کے لیے حوصلہ مند دل درکار ہوتے ہیں اور جب فصل پک جاتی ہے اس کو کاٹنے کے لیے وہی راتوں کا شب بیدار کسان سب کو بلاتا ہے کہ آؤ اس کو مل کر کاٹیں۔ ایسے میں اگر کوئی تنگ دل ہو اور وہ کہے کہ میں نے ہی اس تمام فصل کو کاٹنا ہے تو کبھی فصل خراب بھی ہو جاتی ہے۔ تو میں نے اپنی اس کاشت کو خراب تو نہیں کرنا تھا۔ زندگی صرف منفی پہلو اور باتوں کے گرد نہیں گھومتی اس میں بے شمار مثبت باتیں بھی ہوتی ہیں جو دل کو حوصلہ دیتی ہیں جب اسحاق بھٹی صاحب فوت ہوئے تو جس طرح پاکستان بھر سے احباب نے مجھ سے آکر تعزیت کی، تب مجھے یہی لگا کہ جناب کو ہمارا اس کا آغاز کرنا نہ صرف یاد ہے بلکہ وہ اس کے قدر دان بھی ہیں فجزاللہ احسن الجزاء۔

اور سچی بات ہے کہ دوسرے احباب کا اس کام میں شرکت کرنا نفع مند بھی ثابت ہوا کہ بھٹی صاحب کا کام وسعت اور سرعت کے ساتھ منظر عام پر آیا۔

خدام قرآن میں ان احباب کا تذکرہ تھا جن کی خدمات کا محور قرآن کریم تھا۔ اس کے بعد خدمات حدیث کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب قافلہ حدیث تھی اس میں 26 ارباب علم کا تذکرہ تھا اور یہ کتاب 646 صفحات پر محیط تھی۔ حسب سابق یہ کتاب بھی خاصی پسند کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی۔ قافلہ حدیث کے بعد اسی سلسلے کی تین مزید کتب ہم نے شائع کیں، دبستان حدیث، گلستان حدیث، چمنستان حدیث، یوں خدمات حدیث کے اس سلسلے کی بالترتیب چار کتب شائع ہو چکی ہیں جبکہ آخری کتاب ''بوستان حدیث'' کے نام سے بھٹی صاحب مکمل کر چکے تھے۔ کتابت کے مرحلے میں تھی کہ داعی اجل کا بلاوا آ گیا اور بھٹی صاحب اپنے رب کے حضور چلے گئے۔ جبکہ متفرق شخصیات کے باب میں 2009 میں آپ کی تیسری کتاب ہفت اقلیم شائع ہوئی نام کی مناسبت سے اس میں سات شخصیات کا تذکرہ تھا، اور ساتوں اصحاب اپنے اپنے مقام میں صاحب اقلیم بھی تھے۔ جبکہ اس سلسلے کی اگلی کتاب ''محفل دانش منداں'' بھی لکھی جا چکی تھی۔

عمر کے تفاوت کے باوجود بھٹی صاحب سے ہمارا تعلق بے تکلفانہ تھا اور اس کا سبب ان کی بے پناہ شفقت تھی۔ انہوں نے اپنے مزاج پر کبھی بھی ناروا قسم کی بزرگی مسلط نہ کی تھی۔ وہ ہم کو بے تکلفانہ ناشر کی شر سے متصف کرتے اور کہتے کہ ناشر کہا جائے یا پبلی شر دونوں میں شر آتا ہے اور ان کی اس دریافت پر ہمیشہ ایک قہقہہ بلند ہوتا۔ ان کی مجلس میں بے جا تکلف کا دور دور تک نشان نہ ہوتا۔ عمدہ مزاج کا خود بھی لطف اٹھاتے۔ فیصل آباد کے رمضان سلفی نے ان کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ کتاب میرے پاس طباعت کے واسطے آئی تو رمضان سلفی صاحب کا فون آیا کہ بھٹی صاحب کے نام کے ساتھ ''مورخ اہل حدیث'' ضرور لکھنا ہے۔ میں نے لکھوا دیا ابھی سرورق کا ڈیزائن بنا تھا تو بھٹی صاحب تشریف لے آئے۔ مورخ اہل حدیث کا لفظ دیکھ کر کہنے لگے ''یار یہ ضرور لکھنا تھا! رہنے دیتے'' میں نے بے ساختہ کہا ''ٹھیک ہے مورخ کاٹ کر مورکھ کر دیتے ہیں۔'' بھٹی صاحب کا قہقہہ مجھ سے بلند تھا۔ انہوں نے میرے اس جملے کا بہت مزہ لیا اور دیر تک ہنستے رہے اور جملے کی تعریف کرتے رہے اور ہاں اسی صاحبِ وسیع القلب نے مجھ پر گستاخی بزرگاں کا کوئی فتویٰ بھی نہ لگایا۔

ایک روز میں نے مذاق میں کہا کہ آپ نے بے شمار افراد کے بارے میں لکھا۔ لیکن آپ کے بارے میں کوئی نہ لکھے گا۔ پھر میں نے خود کہا کہ بے فکر رہیں میں آپ کے بارے میں لکھوں گا۔ اس پر بہت ہنسے۔ پھر عارف جاوید محمدی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ اپنی خودنوشت تحریر کریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یوں ''گذر گئی گذران'' منظر عام پر آ گئی۔ شاید ان کے ذہن کے کسی گوشے میں ہم لوگوں کی ''استعداد کار'' رہی ہو گی کہ ہم لوگ واقعی ان کے بارے میں یا سوانح حیات نہیں لکھیں گے سوانہوں نے ہمارا یہ قرض بھی خود ہی ادا کر دیا اور اپنی ''سوانح حیات'' ''گذر گئی گذران'' لکھ گئے۔

ان کے مزاج میں اس قدر وسعت تھی کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ جن دنوں ہفت اقلیم لکھی جا رہی تھی ان دنوں کا ذکر ہے کہ ان کے مضامین کمپوزنگ کے لیے آ رہے تھے۔ علامہ شہید اسلام احسان الٰہی ظہیر شہید کے بارے ان کا مضمون آیا۔ علامہ شہید سے گہرے تعلق کے سبب اس مضمون کا انتظار تھا۔ شاید ہم ''زیادہ'' کی امید پر تھے مگر:

ہم تو سمجھتے تھے برسات بھی ہو گی شراب کی برسات
جب آئی برسات، تو برسات نے دل توڑ دیا

مضمون ہماری امید کے خلاف تھا۔ میں نے بھٹی صاحب کو کئی صفحات پر مشتمل خط لکھا۔ اس میں ان کے مضمون کے بعض مندرجات سے اختلاف بھی تھا۔ غالباً بارہ صفحات پر مشتمل خط تھا۔ چند روز میں بھی تشریف لے آئے۔ میرا خط اور اپنے مضمون کا مسودہ ہاتھ میں تھامے ہوئے اور مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے ''اتنی محنت کی تم نے اور اتنا لمبا خط لکھا جو باتیں غلط تھیں بتا دیتے، میں کاٹ دیتا۔'' نہ ایک لفظ یہ بحث نہ اپنے موقف پر اصرار۔ نصف صدی کا فرق تھا ان کا مجھ سے۔ درجنوں کتابیں لکھ چکے تھے۔ کمال کا انکسار تھا ان میں۔

! مکتبہ قدوسیہ نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی گیارہ کتب شائع کیں۔ جبکہ دو کتب اشاعت وطباعت کے مراحل میں ہیں۔ اب آپ ان کے نام ملاحظہ کریں۔

(1) نقوش عظمت رفتہ (2) بزم ارجمنداں (3) ہفت اقلیم (4) برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (5) قافلہ حدیث (6) دبستان حدیث (7) گلستان حدیث (8) چمنستان حدیث (9) برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن (10) مولانا احمد دین گکھڑوی (11) اسلام کی بیٹیاں (12) محفل دانش منداں (13) بوستان حدیث۔

عمر کے اس تفاوت کے باوجود ہماری ان سے دوستی تھی۔ ایسے ہی جیسے کسی پوتے کی اپنے دادا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بے تحاشا دوستی اور بے تکلفی۔ کچھ ایسا ہی تو رشتہ تھا ان کا اور ہمارا:

میں کیا لکھوں جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زبان میں کہیں بھی درج نہیں

اور اس سے بھی زیادہ سچی بات یہ ہے کہ میرے سے کہیں زیادہ ان کی محبت برادر عزیز عمر فاروق قدوسی سے تھی۔ میں اپنی بے ہنگم مصروفیات کے سبب وقت کم بھی دے پاتا اس پہ وہ شکوہ کناں بھی رہتے۔ عارف جاوید صاحب سے جلدی گاہے گاہے شکایت بھی کرتے مگر میں ویسے کا ویسا ہی رہتا۔ مگر آج ان کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہی شفقت، ویسی ہی محبت مگر شاید یہ کہتے ہوئے کہ میں تم کو کہتا تھا کہ تم آتے نہیں، خیال نہیں کرتے میرا۔ لو اب ”ڈھونڈو“ مجھے چراغ رخ زیبا لے کر۔

ہائے آج میں سوچ رہا ہوں کہ عمر فاروق قدوسی خوش قسمت نکلے کہ ان کے پاس مسلسل جاتے ان سے سیکھتے۔ عارف جاوید صاحب بتا رہے تھے کہ بھٹی صاحب کے گھر والے ان کو کہنے لگے کہ اب ان کا جی نہیں لگتا، دل کی بات کسی سے کم ہی کرتے ہیں۔ صرف جب عمر فاروق قدوسی آتے ہیں۔ تب یہ بدلے بدلے لگتے ہیں جیسے کسی کو من پسند دوست مدت بعد ملے، عارف صاحب عمر فاروق سے کہہ رہے تھے کہ وہاں جانے میں سستی نہ کیا کرو۔

کئی برس پرانی بات ہے کہ ایک روز مکتبے پر آئے اور کہنے لگے کہ ”یار میں اس ڈاکٹر فضل الٰہی سے بہت خوش ہوا ہوں۔“ چند روز پہلے ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب نے مرکز اہل حدیث لارنس روڈ پر جمعہ پڑھایا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد حاضرین ڈاکٹر صاحب کے گرد جمع تھے اور ڈاکٹر صاحب آہستہ آہستہ مسجد سے نکل رہے تھے۔ بھٹی صاحب جمعہ پڑھنے گئے اور ڈاکٹر صاحب کے گرد اس ہجوم عاشقاں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے ملے۔ ڈاکٹر صاحب نہایت عقیدت واحترام سے پیش آئے اتنے میں دروازہ آ گیا۔ بھٹی صاحب اپنا جوتا اٹھانے جھکے۔ ڈاکٹر صاحب تیزی سے آگے بڑھے اور بھٹی صاحب کا جوتا اٹھا لیا۔ لوگ حیران کہ یہ بابا جی کون ہیں کہ اتنی عزت افزائی کر رہے ہیں ان کی ڈاکٹر فضل الٰہی۔ بھٹی صاحب اس بات کو فراموش نہ کر سکے اور ڈاکٹر صاحب کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت محبت بھرے الفاظ کہتے رہے۔

جماعتوں میں اکھاڑ پچھاڑ اور گروپ بندی کا سلسلہ پرانا ہے اور ہمہ وقت جاری وساری رہتا ہے۔ ایک روز دو جماعتوں کے اختلاف کے بارے میں مجھ سے پوچھنے لگے کہ ''یار ابوبکر یہ کیوں الگ ہو گئے ہیں'' میں نے مذاقاً کہا ان کو چھوڑیں اپنی بات کرتے ہیں اور ایک الگ جماعت بناتے ہیں آپ امیر بن جایئے گا میں ناظم اعلیٰ جتنے دن چلیں گے بسم اللہ اور پھر نہ نبھے گی تو الگ ہو جائیں گے۔ پھر ہماری بھی دو الگ الگ جماعتیں بن جائیں گی اور بھٹی صاحب کا ایک قہقہہ بلند ہوا ''یار تمہاری تجویز بہت پسند آئی لیکن فرصت میں یہ کام کر لیں گے۔''

پچھلے برس مجھے ان کے ساتھ سفر کرنے کا بھی موقع ملا، سیالکوٹ میں ہمارے مکتبے کی کتاب کی تقریب رونمائی تھی۔ جس کا اہتمام مولانا محمد علی جانباز کے ادارے جامعہ رحمانیہ نے کیا تھا۔ قاری عبدالرحمان جو مولانا جانباز کے داماد بھی ہیں اور ان کے مدرسے کے ناظم بھی اور ان کے ساتھ مولانا کے بیٹے عبدالحنان۔ دونوں بھٹی صاحب سے نہایت عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں، انہوں نے بھٹی صاحب کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ یہاں میں یہ ذکر کر دوں کہ بھٹی صاحب کی شخصیت پر جو کتاب محترم رمضان یوسف سلفی صاحب نے لکھی ہے وہ جامعہ رحمانیہ نے ہی شائع کی ہے قاری عبدالرحمان نے مجھے کہا کہ آپ نے بھٹی صاحب کو اپنی گاڑی پر لے کر آنا ہے، بہت خوش گوار سفر رہا۔ ہم نے تمام راستہ بھٹی صاحب کو سنا، لطائف، واقعات، سب چل رہے تھے۔ تحریک آزادی ہند سے متعلق کافی گفتگو رہی۔ دلچسپ امر ہے کہ میرے والد محترم مسلم لیگی سوچ کے حامل تھے جبکہ میں اس کے برعکس پاکستان سے تمام تر محبت کے باوجود تقسیم وطن کو تقسیم امت بھی جانتا ہوں۔ ہندوؤں کی تنگ نظری اور پست سوچ تقسیم کے حامیوں کے دلائل میں وزن پیدا کرتی ہے جبکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایکا نہیں اور برصغیر کے مسلمانوں کی تین جگہوں پر تقسیم وحدت ہند کے حامیان کے لیے دلائل مہیا کرتی ہے۔ اس بحث کا یہاں مقام نہیں۔ لیکن چلتے چلتے ایک دلچسپ واقعہ لکھتا چلوں یہ 1986 کا ذکر ہوگا میں تب کالج میں پڑھتا تھا، اور اہل حدیث یوتھ فورس کے لیے خاصا سرگرم عمل۔ تب ہم اتنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بڑے" نہ تھے کہ مسلم لیگی یا کانگرسی ہوتے۔ ہم دوستوں نے مل کر ایک مقابلہ مضمون نویسی منعقد کیا۔ اس کا عنوان تھا "تحریک پاکستان میں اہل حدیث کا کردار" مقالے جمع ہو گئے۔ میرے والد محترم مولانا عبدالخالق قدوسی اور حافظ صلاح الدین یوسفصاحبکو منصف ٹھہرایا گیا۔ میں مضامین کا پلندہ اٹھائے الاعتصام کے دفتر گیا۔ راستے میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوئی پیغام تھا۔ ان کے پاس رکا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے یہ کیا کاغذات اٹھائے پھر رہے ہو میں نے عرض کی کہ یہ مقابلہ کروایا اور مضامین ہیں۔ مولانا بھوجیانی مسکرانے لگے اور کہنے لگے "بڑے مسلم لیگی بنے پھرتے ہو" تب تک مجھے مولانا کے سیاسی رجحانات کا پتہ نہ تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ مدت بعد میں ذہنی طور پر مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے کا قائل ہو گیا ایک اور بات یاد آئی جب ہم نے کتاب "ہفت اقلیم" شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی خبر نکلی کہ اس میں پہلا مضمون مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں ہے۔ تو جماعت اسلامی کے بعض قریبی احباب نے مجھ سے رابطہ کیا کہ بھٹی صاحب کو کہیں کہ اس میں مناسب قطع برید کر دیں۔ ویسے ہی نہ شائع کر دیا جائے۔ قصہ اس کا یوں تھا کہ مولانا مودودی کے بارے میں بھٹی صاحب کا مضمون گذرے وقتوں میں مجیب الرحمان شامی کے "قومی ڈائجسٹ" میں شائع ہو چکا تھا۔ اس مضمون میں بھٹی صاحب کے قلم کی کاٹ احباب جماعت کے نازک مزاجوں پر گراں گذری تھی اور بھٹی صاحب ان دنوں جماعت کے ناپسندیدہ افراد میں شامل ہو گئے تھے۔ میں نے بھٹی صاحب سے کہا کہ ان کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے؟ ویسے بھی کسی ڈائجسٹ میں چھپنے والے مضمون اور کتاب میں فرق ہوتا ہے۔ کتاب کی حقیقت زیادہ بلند اور مضبوط ہوتی ہے۔ بھٹی صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا اور بعض باتیں قلم زد کر دیں۔ یہ بھٹی صاحب کا بڑا پن تھا کہ وہ ہم جیسے "چھوٹوں" کی بات بھی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مان لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ زندگی بھر ان کے ساتھ کبھی تکرار کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

© rasailojaraid.com